زندگی ایک خوبصورت خواب کی مانند لگتی ہے جب آپ کے اطراف میں خوشیوں کے ڈیرے ہوں۔ اس وقت زندگی کسی عذاب سے کم نہیں ہوتی جس وقت آپ کسی آزمائش میں گھر جاتے ہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ ہر طرف ایک عجیب سی سنسنی خیز خاموشی ہے۔ انسانوں کی بھیڑ کہیں گم ہو گئی تھی۔ پارک ویران ہو گئے تھے۔

جی ہاں کرونا ایک ایسی آفت بن گئی تھی جس نے آتے ہی انسان کو انسان سے جدا کر دیا۔ جس نے لوگوں کا ایک دوسرے سے ملنا محال کر دیا۔ لوگ بس فون پر ایک دوسرے سے خیریت دریافت کرتے پائے جاتے، الغرض ملنا تو ایک بھولی بسری سی یاد یا ایک خواب لگتا تھا۔

یہ دسمبر ۲۰۱۹ تھا۔ جب مجھے اپنے بچوں کے ساتھ گوادر روڈ ٹرپ پر جانا تھا۔ ۱۷ دسمبر کو جب میں گوادر شہر میں داخل ہوئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ چین میں ایک ایسی وبا آئی ہے جس کا نام کرونا ہے اور لوگوں کی بہت زیادہ تعداد اس سے متاثر ہو رہی ہے جن میں سے بیشتر موت کا شکار ہو رہے ہیں۔ یہ بڑی افسوسناک اور پریشان کن خبر تھی۔ خیر ہم ۹ جنوری کو اسلام آباد واپس آ گئے۔ اسکے فوراً بعد اس وبا کی پاکستان میں نشاندہی ہوئی اور حالات خراب ہونے لگے۔ بچوں کے اسکول غیر معینہ مدت کیلئے بند ہو گئے۔ لوگوں نے اپنے آپ کو گھروں تک محدود کر لیا۔ وبا کے خوف سے انسان انسانوں سے ڈرنے لگے۔ میرا گھر پارک کے سامنے تھا تو میں روز سوچتی کہ یہ ویرانی کب ختم ہو گی؟ کب نظام دنیا بھر سے آباد ہو گا؟ کب بچے واپس اسکول جانا شروع ہوں گے؟ کب ان پارکوں میں بچوں کی چہچہاہٹ سنائی دے گی؟ کب مشرق سے نکلنے والا سورج اتنی آب و تاب سے نکلے گا کہ یہ بیماری ختم ہو جائے گی؟ کب بارش کی بوندیں برسیں گی تو کوئی یہ خبر سنائے گا کہ ہمیں اس موزی وبا سے نجات مل گئی۔ کب خدا کی اپنے پیارے بندوں پر یہ آزمائش ختم ہو گی اور کب ہم آزاد پنچھی کی طرح سانس لے سکیں گے۔ دن اور رات ایک ہی گھر میں قید ہو جانا کوئی آسان بات نہ تھی۔ انہی دنوں میرے بھائی کے پیٹ میں شدید درد اٹھا۔ دو ہفتے تو ہم سمجھے کہ گیس وغیرہ کا درد ہو گا لیکن نہیں معلوم تھا کہ کاتبِ تقدیر نے جو درد دیا تھا وہ ہمارے لیے عمر بھر کا روگ بن جائے گا۔ پھر ہم بھائی کو جناح ہاسپٹل لاہور لے گئے۔ وہاں جا کر پتہ چلا کہ یہ ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں اور یہ بیماری آہستہ آہستہ میرے شیر سے بھائی کو کمزور کرتی گئی۔ بھابھی اور ماں جی کے آنسو کبھی رکتے ہی نہیں تھے۔ اور انہیں دنوں میں اللہ سے فریاد کرتی کہ وہ میرے بھائی کو اپنے بچوں کے لیے کامل صحت اور دراز عمر دے دے۔ میرا بھائی اگرچہ لاغر اور کمزور ہو گیا ہے تو میرے مولا شفا دے دے اور میرا بھائی پھر سے توانا ہو جائے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ ان کو پیٹ کے اندر پتھری ہے جو آپریشن کے ذریعے ہی نکل سکتی ہے۔

مجھے یاد ہے اس دن میں نے بڑی ہمت سے اپنے بھائی کو کہا تھا کہ یہ آپریشن کچھ نہیں ہوتا بس آدھے گھنٹے کی بات ہے آپ ٹھیک ہو جائیں گے، میں تین آپریشن کروا چکی ہوں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مگر میرے بھائی کے لب خاموش تھے۔ بس ایک سکوت تھا، میں نے اس کے لبوں سے ایک لفظ بھی نہیں سنا تھا۔ میں یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی کہ شاید میرے الفاظ نے اس کو تشفی دی ہو۔ لیکن ہمیں نہیں معلوم تھا کہ ہم آپریشن تھیٹر کے کاریڈور میں اسی حسرت

کے ساتھ دروازے تکتے رہ جائیں گے اور ہمارا بھائی، پیارا بھائی اب کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔ وہ نامراد اور موزی کرونا وبا کا چکار ہو کر راہیِ اجل ہو چکا تھا۔ رات ۸:۴۵ پر یہ اندوہناک خبر موصول ہوئی کی میرا بھائی اس دار فانی سے کوچ کر چکا ہے۔ ایک مہینہ پہلے میرے ہاتھوں سے کھانا کھا کر جانے والا میرا بھائی اس دنیا سے اتنی جلدی چلا گیا کہ لب ساکت اور آنکھیں حیرت زدہ رہ گئیں۔ اس کی باتیں ایک سرگوشی کی طرح سنائی دیتی ہیں۔ وہ جو ہر وقت گھر میں خوشیوں کی ایک فضا ہوتی تھی وہ ایک مہیب سناٹے میں بدل گئی۔

موزی کرونا کے باعث ہمارا ایک ڈرائیور اور ان کے دو جوان بیٹے بھی چل بسے، ایک ہی گھر کے سبھی مرد۔ کرونا وبا آپ کی اور میری آپ بیتی نہیں ہم سب کا درد ہے، وہ تین سال قیامت سے کم نہ تھے۔ جب انسان خدا کو بھول جاتے ہیں تو خدا اپنے ہونے کا احساس بڑی شدت سے کرواتا ہے۔ یہ المیہ ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ تھا کہ یہ کرونا آیا کیوں؟ اتنی قیمتی جانیں کیوں چلی گئیں؟ لوٹ کر سب کو جانا ہے لیکن ایک ایسی بیماری سے - کیوں؟

دوستو میں نے بہت سوچا تھا اس وقت کہ خدا نے یہ آفت کیوں نازل کی؟ خدا ہم سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟ کون سی ایسی چیز یا بھول ہوئی کہ ہم پر کرونا جیسی آفت نازل کی اس پاک پروردگار نے؟

ایسے بہت سے سوالات نے میرے دماغ میں جنم لیا اور سوچ دی کہ ہم بحیثیت انسان کیا کر سکتے ہیں۔ میں نے اس مشکل وقت میں اپنی گھریلو ملازمہ کو تو نہیں آنے دیا لیکن اس کو تنخواہ ہر مہینے ادا کیا کرتی۔ چوکیداروں کے لیے چپکے سے میں اپنے خاوند کو کہتی کہ ان کے ہاتھ میں پکڑا دیں۔ رات کو روزانہ میں نے اپنے چوکیداروں کو کھانا دینا شروع کر دیا کیونکہ ان دنوں ہوٹل وغیرہ بند ہو گئے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی چیز کو دوام حاصل نہیں۔ ہر چیز میں بے ثباتی نظر آتی۔ زندگی ایک ڈراونا خواب محسوس ہوتی کہ پتہ نہیں کب اجل کا بلاوا آجائے۔ میرے خاوند ایک پرائیویٹ کمپنیYouth impact کے مالک(CEO) ہیں۔ ہم نے سوچا کیوں نہ لوگوں کے لیے کچھ فنڈ اکھٹے کیے جائیں تا کہ وہ اس مشکل وقت کی آزمائشوں سے گزر سکیں۔ انھوں نے ر آن لائن فنڈز اکٹھے کرنے شروع کر دیئے۔ اللہ نے میرے پاکستان کے لوگوں کو دل بڑے بھی دیئے ہیں۔ لوگوں نے دل کھول کر عطیات دیے اور ہوں تقریباً ایک کروڑ روپے جمع ہو گئے۔ الحمد اللہ ہم نے امانتیں لوگوں تک بڑی دیانت داری، خلوص اور محبت سے پہنچائیں۔ سندھ کے ایک گاؤں راٹھور میں ۴۵ خاندانوں کی مدد کی۔ لوگوں کو راشن گھروں تک پہنچایا گیا۔ ہم خود چونکہ اسلام آباد کے رہائشی ہیں تو دفتر میں جتنے لوگ، خصوصاً نوجوان میرے خاوند کے ساتھ کام کرتے تھے انھوں نے بڑی ذمہ داری سے یہ فرض نبھایا۔ کراچی میں ۳۰۰ ایسے خاندانوں کی ۳ماہ تک مدد کی گئی جن کا کاروبار کرونا کی وجہ سے ختم ہو گیا تھا۔ وہ مالک اور رازق جل جلالہ دن اور رات اپنے بندوں کی روزی کا بندوبست کرتا ہے، ہم تو انسان ہیں ہماری اتنی حیثیت نہیں کہ ہم کسی کی بہت عرصے تک مدد کر سکیں۔ کرونا وبا کے دوران دنیا بہت زیادہ دکھوں اور تکلیفوں سے گزری، انسانیت سسکتی رہی لیکن خدا کے نیک بندے اس حال میں بھی خدا کے بندوں کے لیے راحت کا سامان کرتے رہے۔ آپ اور میں وسیلہ بنتے رہے لیکن ایک چیز جو ہم نے سیکھی وہ تھی کہ اس کی بستی میں اس کا ہی نظام چلتا ہے۔ وہ کہہ دے ہو جا، تو ہو جاتا ہے۔ یہ دنیا اسی کُن کی محتاج ہے۔ میں اور آپ تو مٹی کے ذرے ہیں جن کی کوئی حیثیت

نہیں۔ ہمارے بس میں محض اتنا ہے کہ کرونا اور اس جیسی دیگر آفات کے دوران ایک دوسرے کی مدد کریں، مخیر لوگ غربا کا خیال رکھیں، صاحب مرتبہ کمزور لوگوں کی دادرسی کریں اور جو جس حیثیت میں کوئی مثبت کردار ادا کر سکتا ہے وہ بجالائیں۔ صرف یہی ایک صورت ہے کہ ہم مستقبل میں آنیوالی آفات اور حادثات کا اجتماعی طور پر مقابلہ کر سکتے ہیں۔